مشرق پر استشراق کے اثرات: ثقافتی و سماجی تبدیلیاں

Impacts of Orientalism on the East: Cultural and Social Changes

** Muhammad Bilal,* ** *Dr. Abdul Samee Jessar*

* M. Phil scholar, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University, Japan Road, Islamabad.
** Assistant Professor, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University, Japan Road, Islamabad.

KEYWORDS

Islamic culture
Opposition to Islam
Orientalism
Social Changes
Society

ABSTRACT

The religion of Islam is a complete code of life, it completely guides a person in every matter of life, and after that, there is no need for any other religion. Allah Almighty has declared the completion of the religion: “This day I have perfected for you your religion and completed my favor upon you and have chosen Islam as a religion for you.” Since this religion is the last, that is why the bringer of this religion is the last prophet of Allah Almighty, Hazrat Muhammad Mustafa (ﷺ). But people who oppose this religion have existed in all ages. They have been using various tactics and methods to keep people away from this religion, one of the tactics of opposition appeared in the form of Orientalism. Orientalists are those who have studied the religion of Islam only to create doubts about the religion of Islam and the personality of the Prophet of Islam. Sometimes they are seen writing the biography of the Prophet Muhammad ﷺ, sometimes they are seen publishing the translation of the Qur'an and sometimes they are seen talking about a collection of hadiths. But when they are studied from an outsider’s point of view, it is understood that, in these books, they slander Islam, the Prophet of Islam, and the fundamental book of Islam, the Holy Qur’an. Social changes are observed due to the research of Orientalists and their scholarly work, the large section of the East who are called scholars or go abroad for education are quite separated from their culture and the traditions of their society. The ideas of the Orientalists reflect their ideas and thus the effects of Western culture on the East are slowly becoming prominent. This paper will cover the following topics:1. The meaning of Orientalism 2. The meaning of culture 3. The meaning of society4. The nature of changes in Eastern civilization and culture due to Orientalists 5. Results and recommendations 6. Sources and references.

تعارف موضوع

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ زندگی کے ہر معاملے میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اور اس کے بعد اب کسی اور دین و مذہب کی کوئی ضرورت موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے دین کی تکمیل کا اعلان فرمادیا ہے: "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا" (سورۃ مائدہ: 3) **ترجمہ:** آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا ہے۔ چونکہ یہ دین آخری ہے اسی لیے اس دین کے لانے والے پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی آخری نبی ہیں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد کسی اور نبی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس دین متین کی مخالفت کرنے والے لوگ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور وہ مختلف حربے اور طریقے استعمال کرتے رہے ہیں تاکہ لوگوں کو اس دین مبین سے دور رکھ سکیں۔ انہیں مخالفت کے ہتھکنڈوں میں سے ایک استشراق کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ استشراق کا معنی اگرچہ مشرق شناسی ہے اور مستشرق 'مشرق شناس' کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت مستشرقین وہ حاسدین دین مبین ہیں کہ جنہوں نے دین اسلام کا مطالعہ فقط اس خاطر کیا ہے کہ وہ دین اسلام اور پیغمبر

*Corresponding Author: Muhammad Bilal
Email Address: bilal5771938@gmail.com

اسلام ﷺ کی ذات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اس سے متنفر کر سکیں۔ وہ کبھی سیرت رسول ﷺ لکھتے نظر آتے ہیں ، کبھی قرآن کا ترجمہ پبلش کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی مجموعہ احادیث پر بات کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب بنظر غائر ان کا مطالعہ کیا جائے تو سمجھ آتی ہے کہ درحقیقت وہ اپنی ان کتب میں اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلام کی بنیادی کتاب قرآن مجید کو نشان طعن و تشنیع بناتے ہیں۔ استشراق کے مشرق پر اثرات کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں بہت سی ثقافتی اور سماجی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے علمی کام کی وجہ سے مشرق کا بڑا طبقہ جو اہل علم کہلاتا ہے یا بیرون ملک تعلیم کے حصول کے لیے جاتا ہے وہ اپنی ثقافت اور اپنے سماج کی روایات سے کافی حد تک الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ ان کے نظریات پر مستشرقین کے نظریات کی جھلک نظر آتی ہے اور یوں آہستہ آہستہ مشرق پر مغربی ثقافت کے اثرات نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے اس مقالہ میں ہم استشراق کی وجہ سے مشرق کی ثقافت اور سماج میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان پر تفصیل سے بات کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ مقالہ درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہو گا:

1۔ استشراق کا معنی و مفہوم

2۔ ثقافت کا معنی و مفہوم

3۔ سماج کا معنی و مفہوم

4۔ مستشرقین کی وجہ سے مشرقی تہذیب و ثقافت میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کی نوعیت

5۔ نتائج و سفارشات

6۔ مصادر و مراجع

استشراق کا معنی و مفہوم

استشراق عربی زبان کے لفظ شرق سے ماخوذ ہے جس کا مادہ (ش، ر، ق) ہے اور اس کا معنی شرق شناسی کے ہیں۔ یہ اصطلاح زیادہ قدیم نہیں ہے اس لیے قدیم عربی، فارسی اور اردو معاجم میں **شرق** تو موجود ہے لیکن زیر بحث لفظ "**استشراق**" موجود نہیں ہے۔ البتہ جدید لغات میں استشراق کا ذکر موجود ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب مستشرق (Orientalist) کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ماہر مشرقیات ہو۔ (عبدالحق، 1937ء)

المنجد میں مستشرق کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے۔ "العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقیۃ والاسم الاستشراق" (لوئیس معلوف، 1366ھ) **ترجمہ:** مشرقی آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔

استشراق کی جو عمومی تعریف مشہور ہے وہ یہ ہے:

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔"(محمد احمد دیاب، 1989ء)

استشراق کی جامع ترین اصطلاحی تعریف جس کے مطابق ہم اپنے اس مقالہ میں بھی بحث کریں گے وہ پیر محمد کرم شاہ صاحب کے الفاظ میں کچھ یوں کی جاسکتی ہے: "اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔"(محمد کرم شاہ الازھری، 2013ء)

لفظ مشرق کی وضاحت

اپنے اس مقالہ میں ہم نے استشراق کے مشرق پر اثرات کا جائزہ لینا ہے اس لیے مشرق کے لفظ سے ہماری کیا مراد ہے وہ بھی وضاحت طلب ہے۔ ہر دور میں دنیا کے مراکز بدلتے رہتے ہیں اور سمتوں کا تعین انہی کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

"مشرق و مغرب کے مفہوم میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں قرون وسطیٰ میں بحیرہ روم کو دنیا کا مرکز قرار دیا جاتا تھا اور جہتوں کا تعین اسی کے حساب سے ہوتا تھا۔ اس کے مشرقی اطراف میں واقع علاقوں کو مشرق اور مغربی علاقوں کو مغرب کہا جاتا تھا۔"(محمد کرم شاہ الازھری، 2013ء)

تاہم ان جہات کا ہمارے مقالے سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے بلکہ مشرق کی وہ تعریف جو ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی نے رودی بارت (Rudi Barat) کے حوالے سے کی ہے وہ ہمارے مقصد و مدعا کی کافی حد تک عکاسی کرتی ہے۔ "یعتمد بارت فی تحدیدہ لمفہوم الشرق علی الرقعۃ الجغرافیۃ التی انتشر فیھا الاسلام و لیس علی المفھوم الجغرافی۔"(محمد ابراھیم الفیومی، 1993ء) یعنی مستشرقین کے عرف میں لفظ مشرق کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا ہے۔

لہذا اس مقالہ میں جہاں مشرق کا لفظ استعمال ہو گا وہاں مراد اسلامی ممالک ہوں گے اور وہ علاقے ہوں گے کہ جن میں اسلام نے اپنی جڑیں مضبوط کیں اور جہاں اسلام پھلا پھولا۔

تحریک استشراق کا آغاز

تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ استشراق کی تاریخ ازل سے موجود ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا تو ان کے مقابل شیطان موجود تھا۔ اس طرح حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ اور اگر اسلام کی مخالفت میں اس تحریک کے آغاز کی بات کی جائے تو ڈاکٹر نثار احمد کے الفاظ میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے:

"اس تحریک کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف بالخصوص بغض و عداوت کا اظہار موقع بموقع مختلف ادوار میں ہوتا رہا۔ اور پورے جذبات سے سرشار رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف اور وقائع و اسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمایہ افتخار قرار پائیں۔"(ڈاکٹر نثار احمد۔1985ء)

تاہم، ہم جو تحریک استشراق کے آغاز کی بات کر رہے ہیں اس سے مراد ایک منظم اور قلمی جنگ ہے۔اس کا آغاز ذرا بعد میں شروع ہوتا ہے اس کے حوالے سے محققین کی آراء مختلف ہیں جن میں سے چند آراء درج ذیل ہیں:

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ تحریک استشراق کا آغاز بارہویں صدی عیسوی میں ہوا جب 1143ء میں پطرس کی ایماء پر پہلی مرتبہ قرآن حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ مکمل ہوا۔ پطرس نے علوم اسلامیہ کے مغربی زبانوں میں تراجم کے لیے ایک جماعت تیار کی ان میں سے ایک انگریز عالم رابرٹ آف کیٹن(Robert of Ketton) تھا جس نے قرآن مجید کا پہلا لاطینی ترجمہ کیا۔ پطرس نے قرآن کریم کے اس ترجمہ پر مقدمہ بھی لکھا۔(ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق،1989ء)

ان تراجم سے پطرس اور اس کے ساتھیوں کا مقصد دین اسلام کی محبت یا اسے سمجھنے کی کوشش نہ تھا بلکہ ان تراجم کا مقصد اسلام کی مخالفت کے لیے عیسائیوں کو مواد فراہم کرنا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تحریک استشراق کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا جب فرانس کا ایک راہب جریری دی اورالیاک حصول علم کی خاطر اندلس گیا، اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا اور یورپ بھر میں عربی زبان وادب اور ثقافت کا سب سے بڑا عالم شمار ہوا اور بعد میں 999ء سے لے کے 1003ء تک سلفتر ثانی کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا۔(محمد احمد دیاب،1989ء).

تحریک استشراق کی ابتداء کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس تحریک کو مشرق اور مغرب کے اہل کتاب نے مل کر آٹھویں صدی عیسوی میں شروع کیا۔ مشرقی اہل کتاب کا نمائندہ یوحنا دمشقی تھا، جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں بیت المال میں ملازم تھا۔ اس نے ملازمت ترک کر دی اور ایک گرجے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی تردید میں کتابیں لکھنے لگا۔ اس نے اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھی جس میں سے ایک کا نام "محاورۃ مع المسلم" اور دوسری کا نام "ارشادات النصاری في جدل المسلمین" تھا۔(محمد احمد دیاب،1989ء)

یہ چند آراء ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق کسی نئی تحریک کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہی تحریک ہے جو صدیوں سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کے لیے اور اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کام کر رہی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنا نام صدیوں بعد رکھا ہے اور مختلف لغات میں صدیوں بعد مستشرقین کے نام سے ان کو جانا گیا ہے۔

تحریک استشراق کے مشرق یعنی اہل اسلام پر اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ مستشرقین کے عزائم و مقاصد سے آشنائی حاصل کی جائے۔

الصالحات: مجلہ برائے خواتین، معاشرہ، اور مذہب (سماجی علوم) جلد ۳، شمارہ ۲، جولائی تا ستمبر، ۲۰۲۴ آئی ایس ایس این: ۲۱۲۷-۲۹۵۹؛ ای-آئی ایس ایس این: ۲۱۳۵-۲۹۵۹

تحریک استشراق کے مقاصد

کسی بھی تحریک کے اثرات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس تحریک کے مقاصد کے بارے میں بھی معلومات ہوں تا کہ پتہ لگ سکے کہ یہ تحریک اپنے مقاصد کے حوالے سے کس درجہ موثر رہی ہے۔ تحریک استشراق میں مختلف مذاہب اور نظریات سے تعلق رکھنے والے لوگ جمع ہیں اور چونکہ مذاہب اور نظریات مختلف ہیں اس لیے مقاصد کے اعتبار سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔اور اسی اختلاف کی بنا پر مستشرقین کے مقاصد متنوع ہیں۔ کچھ دینی مقاصد ہیں،کچھ اقتصادی اور کچھ سیاسی مقاصد ہیں۔ ہم مختصرا چند مقاصد کو بیان کریں گے تا کہ ان کے اثرات کا جائزہ لیتے وقت ہمیں آسانی ہو۔

دینی مقاصد

تحریک استشراق کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو بخوبی جان سکتا ہے کہ اس تحریک کے آغاز کا بنیادی مقصد دینی تھا۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان جنگوں کی بنیاد بھی دین ہی تھا۔ اسی طرح جب دین اسلام نے سرعت کے ساتھ پھیلنا شروع کیا تو اس کے راستے میں بند باندھنے کے لیے مختلف حربے اور طریقے یہود و نصاریٰ کی طرف سے اپنائے گئے، تحریک استشراق بھی انہی کاوشوں کا حصہ ہے جو اسلام سے چھٹکارا پانے کے لیے کی گئی ہیں۔علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوتے وقت اپنے دین کے حوالے سے تین مقاصد ان کے پیش نظر تھے جنہیں پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب نے اپنی کتاب ضیاء النبی میں درج کیا ہے:

1۔دین اسلام کو دنیا کی اقوام میں عموما اور یہودی و عیسائی اقوام میں خصوصا پھیلنے سے روکا جائے۔

2۔مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے تگ و دو کی جائے ۔

3۔دین کے حوالے سے عیسائیوں کے عربی زبان اور مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہونے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ذہنی بیداری کے زمانے میں نصرانیت کے حلقوں میں بعض ایسے لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے مذہب کے روایتی عقائد کو خلاف عقل قرار دیا۔ انہوں نے ضروری سمجھا کہ اصل عیسوی عقائد معلوم کرنے کے لیے کتاب مقدس کے یورپی زبانوں میں ترجمہ پر اعتماد کے بجائے عبرانی زبان کے نسخوں پر اعتماد کیا جائے۔(محمد کرم شاہ الازھری، 2013ء)

اقتصادی مقاصد

دینی مقاصد کے علاوہ کچھ تجارتی مقاصد بھی تھے جن کی وجہ سے مستشرقین علوم مشرق کی طرف اور خصوصا عربی زبان سیکھنے کی طرف راغب ہوئے۔اہل مغرب خصوصا اٹلی کے لوگوں کے مشرقی ممالک کے ساتھ قدیم تجارتی تعلقات تھے تو اہل مشرق کے ساتھ اپنے تجارتی معاملات کو اچھے طریقے سے طے کرنے کے لیے انہوں نے عربی زبان کی تعلیم کو ضروری سمجھا۔ان کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ

1265ء میں تونس اور اٹلی کے شہر 'بیزا' کے تاجروں کے درمیان جو تجارتی معاہدہ ہوا اسے عربی زبان میں لکھا گیا۔(عبد المتعال محمد الجبری، 1995ء)۔

مستشرقین کے اقتصادی مقاصد کو اگر دیکھا جائے تو برصغیر میں انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو کردار ادا کیا اس قسم کا کردار دیگر ممالک اسلامیہ میں کئی مغربی تجارتی کمپنیوں نے ادا کیا۔ مشرق میں دولت کے ذخیرے دیکھ کے اہل مغرب کے منہ میں کس حد تک پانی بھر آیا تھا اس کا اندازہ ایک مستشرق "روبراخ" کے ان جملوں سے کیجئے:

"میں اس وقت کو اپنی چشم تخیل کے ساتھ کن حسین آرزوؤں سے دیکھ رہا ہوں جب (ہم بابل کے حسین علاقوں میں قیام پذیر ہوں گے) ہر طرف درختوں کی خوبصورت قطاریں ہوں گی۔ سیاہ فام مقامی لوگ شمالی عراق کے خوبصورت علاقوں کو ہماری خاطر خالی کر کے جنوب کے دور دراز علاقوں میں چلے جائیں گے تاکہ ہم جرمنوں کے لیے کثرت سے گندم پیدا کریں" (محمد ابراھیم الفیومی، 1993ء)۔

اس طرح کے مستشرقین کے بہت سے بیانات ملتے ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ عام اہل مغرب تو مشرق کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہی تھے لیکن مستشرقین جو تشنگان علم و حکمت ہونے کے مدعی تھے ان میں بھی ایک طبقہ ایسا تھا جو روزی کمانے کے لیے تحریک استشراق میں شامل ہوا تھا۔ کیونکہ ممالک شرقیہ اور خصوصا اسلامی ممالک میں بہت سے مادی فوائد مغرب کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے اور ان کو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مشرق کی زبانوں، جغرافیہ، زرعی وسائل، انسانی خصوصیات اور ان کے دیگر حالات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ جب وہ اپنے مختلف مقاصد کی تکمیل کے لیے مشرق کا سفر کریں تو انہیں مشرقی لوگوں سے میل جول اور لین دین میں آسانی ہو۔

سیاسی مقاصد

اہل مغرب جن مقاصد کے تحت اقوام مشرق اور علوم مشرق کی طرف متوجہ ہوئے تھے ان میں سیاسی مقاصد بھی سر فہرست تھے۔ سیاسی مقاصد میں سب سے بنیادی مقصد یہی تھا کہ تمام عالم اسلام پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ پہلے تو یہ قانون اور دستور تھا کہ جب کوئی قوم دوسری قوم کے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتی تو طاقتور کمزور قوم پر حملہ کر دیتے اگر دوسری قوم میں ہمت ہوتی تو حملہ آور قوم کا مقابلہ کرتی وگرنہ ہتھیار ڈال دیتی، لیکن انسان جوں جوں مہذب ہوتا جا رہا ہے دوسری اقوام کے حقوق غصب کرنے کو تو خلاف تعظیم نہیں سمجھتا البتہ اس لوٹ مار کے لیے بظاہر طاقت کے استعمال کو ترجیح نہیں دیتا، بلکہ جھوٹ، فریب اور سازش کے ذریعے اپنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اہل مغرب نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"مغرب نے مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے صدیوں کے تلخ تجربات کی بنا پر تلوار کے استعمال کو خلاف مصلحت سمجھا انہوں نے انسانوں کی ایسی جماعتیں تیار کی جنہوں نے علم کی محبت اور خدمت انسانیت کی حسین جامے زیب تن کر رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ ممالک اسلامیہ میں ایسے حالات پیدا کریں کہ جب عملی طور پر اہل مغرب ان ممالک پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے کے لیے آگے بڑھیں تو ان ممالک کے شہریوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا امکان نہ ہو۔ جن لوگوں کو اس مقصد کے لیے میدان میں

اتارا گیا ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے علم کے شیدائیوں کا بھیس بدلا، اس طبقے کو مستشرقین کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جنہوں نے اہل مشرق خصوصا مسلمانوں کو مختلف تدبیروں کے ذریعے عیسائیت کی طرف مائل کرنے کا بیڑا اٹھایا اس گروہ کو مبشر کا خوبصورت لقب دیا گیا ہے۔"(محمد کرم شاہ الازہری، 2013ء)۔

مسلمہ امہ کے حوالے سے مستشرقین کے مقاصد اور طریقہ کار کو ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے چند نکات میں اس طرح لکھا ہے:

1۔ عام مسلمانوں کو مسلم علماء سے بد ظن کرنا۔

2۔ اسلام کے بارے میں بد گمانی پیدا کرنا۔

3۔ ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا۔

4۔ اسلامی تہذیب کی تحقیر و تذلیل کرنا۔

5۔ کتاب و سنت میں تحریف کرنا عبارتوں کو غلط مفہوم میں پیش کرنا اور حسب خواہش قبول یا رد کرنا۔"(ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، 2006ء)۔

یہ چند مقاصد ہیں جن کے تحت تحریک استشراق عمل پیرا تھی اور عمل پیرا ہے اور اس کے اثرات مشرق کی ثقافت و سماج پر بھی گہرے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے سے پہلے ثقافت اور سماج کی معنی و مفہوم کو سمجھ لینا چاہیے۔

ثقافت کا مفہوم

ثقافت عربی زبان کے لفظ ثقف سے نکلا ہے۔ ثقف کا معنی سیدھا کرنا، مہذب بنانا اور تعلیم دینا کے ہیں۔ انگریزی زبان میں ثقافت کے متبادل کے طور پہ کلچر (Culture) کا لفظ استعمال ہوتا ہے. اس سے مراد کسی شخص یا معاشرے کے عقائد و نظریات، رسم و رواج اور اخلاقی اقدار ہیں۔

ماہرین سماجیات نے ثقافت کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے ای۔ بی۔ ٹیلر ثقافت کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

"Culture is that complex whole which includes knowledge, belief, art, morals, law, custom and any other capabilities and habits acquired by man as a member of society."(Edward B Taylor, 1883)-

ثقافت سے مراد وہ علم، عقائد، فن، اخلاقیات، قانون، رسم و رواج عادات و خصائل اور صلاحیتوں کا مجموعہ ہے جو کوئی اس حیثیت سے حاصل کرتا ہے کہ وہ معاشرے کا ایک رکن ہے۔

یعنی ثقافت کے معنی و مفہوم میں وہ تمام چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جن کا تعلق انسانی سرگرمیوں کے ساتھ ہے جو انسانی معاشرے میں انجام پاتی ہیں۔ اس طرح ثقافت میں علوم و فنون اور عقائد سب شامل ہو جاتے ہیں۔ اس میں معاشرے کے مختلف افراد کے وہ اسباب زندگی بھی شامل ہے جن کے تحت وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں یعنی ثقافت معاشرے کی اعتقادی فکری اور معاشرتی پہلوؤں سے عبارت ہے۔

الصالحات: مجلہ برائے خواتین، معاشرہ، اور مذہب (سماجی علوم) جلد ۳، شمارہ ۲، جولائی تا ستمبر، ۲۰۲۴ آئی ایس ایس این: ۲۱۲۷-۲۹۵۹؛ ای-آئی ایس ایس این: ۲۱۳۵-۲۹۵۹

سماج کا معنی مفہوم

سماج لفظ سنسکرت زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے "سم" اور "آج" سم کے معنی اکٹھا، یا ایک ساتھ اور آج کے معنی ہیں رہنا۔ یعنی سماج کے لغوی معنی ایک ساتھ مل کر رہنا اس خیال سے جہاں افراد ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں وہی سماج بن جاتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے معاشرہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور انگلش میں "Society" اس کا متبادل ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق:

"A large group of people who live in the same country or area and have the same ideas about how to live."(Murray James, 2015)-

"لوگوں کا ایک بڑا گروہ جو ایک ہی ملک یا علاقے میں رہتے ہیں اور زندگی گزارنے کے بارے میں ایک جیسے خیالات رکھتے ہیں۔"

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ثقافت و سماج کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ وہ معاشرہ جس میں لوگ مل جل کے رہتے ہیں، دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے انہیں کام کاج ہوتے ہیں وہ سماج کہلاتا ہے۔ اور اس معاشرے میں رہن سہن کے طریقے، اس معاشرے میں پائی جانے والے اخلاق و آداب ،عقائد و نظریات ،علوم و فنون، لباس اور خوراک یہ تمام اس علاقے کی ثقافت کہلاتے ہیں۔ لیکن اسلامی سماج و ثقافت علاقے یا ملک کی حدود سے بالاتر ہے۔ اسلام کے مطابق تمام امت مسلمہ ایک ہی معاشرے کے افراد ہیں اور باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے: عن النعمان ابن بشیر، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "المؤمنونَ کرَجُلٍ واحدٍ، إنِ اشتَکَی رَأسَهُ، تَدَاعَیٰ لَهُ سائِرُ الجَسَدِ بِالحُمَّی والسهرِ"(مسلم بن حجاج القشیری، 1955ء)۔ ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان (باہم) ایک ہی انسان کی طرح ہیں، اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بخار اور بے خوابی کے ذریعے سے باقی سارا جسم اس کا ساتھ دیتا ہے۔

اپنے مقالہ کے مطابق ہم نے مشرق پر مستشرقین کے اثرات کا جائزہ لینا ہے جس میں ہم نے ثقافتی اور سماجی تبدیلیوں کو دیکھنا ہے۔ تو اس میں وہ تمام تبدیلیاں آ جائیں گی جن کا تعلق مشرق کے رہن سہن، لباس اور خوراک کے ساتھ بھی ہے اور جس کا تعلق اخلاق و آداب اور عقائد و نظریات کے ساتھ بھی ہے۔

اسلام سے متنفر کرنے کے لیے مستشرقین کے حربے

مستشرقین نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جو ذرائع اختیار کیے ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی اور بنیادی عقائد پر نقد کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، قرآن مجید کو رسالت مآب ﷺ کا کلام قرار دینے کے جسارت کرتے ہیں، قرآن کی جمع و تدوین کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث نبوی میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ حضور کی تعدد ازواج کے بارے میں اعتراضات اٹھاتے ہیں، جہاد کے بارے میں بات کرتے ہوئے آپ ﷺ پر تشدد پسندی اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اسلام کی زنا، چوری ،شراب نوشی اور جوا وغیرہ سے متعلق قائم کردہ حدود کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔

فلپ کے ہٹی (Philip K Hitti) کے مطابق:

"Modern Islamic society has practically outgrown the koranic legislation."(Philip K Hitti,1962)

وہ مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر انہیں جدت اور اصلاح مذہب کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کی پرانی روایات، اسلام کے عقائد اور اسلام کے اصول وضوابط اب نئی دنیا کے مطابق نہیں رہے، لہذا اس مذہب میں جدت کی ضرورت ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام کو اپنی روح میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ نئے زمانے کا ساتھ دے سکے کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) لکھتا ہے:

"The modern mind is right in its instinctive awareness that Islam must either baptize change into its spirit or renounce its relevance to life. Since it cannot do the latter it must somehow do the former."(Kenneth Cragg, 1956)

"جدید ذہن اپنی فطری آگاہی میں درست ہے کہ اسلام کو یا تو اپنی روح میں تبدیلی لانی چاہیے یا زندگی سے اپنی مطابقت کو ترک کر دینا چاہیے۔ چونکہ یہ مطابقت کا انکار نہیں کر سکتا لہذا اسے پہلا کام (روح میں تبدیلی لانے کا) کرنا ہو گا۔"

اسلام کے خلاف مستشرقین کی کاوشوں کے حوالے سے مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

"Since the second world war the orientalists and machineries have shifted their efforts from trying to change individual Muslims and convert them into their views to changing Islam itself through providing it with a totally different interpretation and launching an organized movement for its reconstruction from within."(Maryam Jamila, 1971)

"دوسری جنگ عظیم کے بعد مستشرقین اور مشنریز نے اپنی توجہ مسلمانوں کو بدلنے کے بجائے خود اسلام کو بدلنے پر مرکوز کی۔ انہوں نے مسلمانوں ہی کو اسلام کی ایک بالکل نئی تعبیر کرنے اور اسے از سر نو تعمیر دینے پر آمادہ کرنے کی غرض سے ایک تحریک شروع کی۔"

مختصر یہ کہ مستشرقین نے سر توڑ کوششیں کی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کو بدلنے اور مغربی افکار و نظریات پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کیا جائے۔

استشراق کے مشرق پر اثرات

مستشرقین کی مذکورہ بالا کوششوں کے نتیجے میں اہل اسلام کا ایک بڑا حصہ خصوصا جدید تعلیم یافتہ طبقہ دینی ،فکری اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہوا۔ مشرق پر استشراق کے اثرات کی وجہ سے ثقافتی اور سماجی تبدیلیاں اگر دیکھی جائیں تو واضح طور پر اہل مشرق بالخصوص مسلمانوں کی اکثریت اہل مغرب سے مرعوب نظر آتی ہے۔

مسلمان عمومی زندگی میں بھی مغربی رسم ورواج رہن سہن اور لباس کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اسلامی یا علاقائی رسم ورواج، رہن سہن کے اصول وضوابط اور لباس کے معاملے میں نالاں نظر آتے ہیں۔ آج کی اس دور میں اپنے ارد گرد کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ترقی کا معیار مغرب کی تقلید کو بنالیا گیا ہے۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے مغربی اداکاروں اور فنکاروں کی پیروکار نظر آتے ہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں مشرقی اور بالخصوص اسلامی روایات سے جڑے ہوئے شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور مغرب کی تقلید کرنے والوں پر رشک کیا جاتا ہے۔ ہماری تعلیم کا معیار یہ بن چکا ہے کہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم و تربیت نام کی چیز معدوم ہوتی جارہی ہے اور اخلاقی وتربیتی ورکشاپس کے بجائے میوزک کنسرٹ اور ڈانس پارٹیوں کا دور دوراں ہے۔ یہ اثرات صرف عام مسلمان کی حد تک ہی نہیں ہے بلکہ اہل اقتدار طبقہ، امراء اور ان کے ساتھ ساتھ نام نہاد مسلم اسکالرز بھی مستشرقین سے متاثر بلکہ ان کے شکر گزار نظر آتے ہیں۔ پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ہمارے بعض مسلمان بھائی مستشرقین کے شکر گزار نظر آتے ہیں کہ انہوں نے ہماری زبان، تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کر کے اور ہمارے علمی سرمائے کو محفوظ کر کے ہم مسلمانوں پر بہت بڑا کرم فرمایا ہے۔ اس قسم کے مسلمانوں کے نزدیک اہل مغرب کا مشرقی تہذیبوں، مشرقی زبانوں خصوصا دین اسلام عربی زبان اور اسلامی تاریخ و تہذیب کی طرف متوجہ ہونا ان کی وسیع الظرفی، پسماندہ قوم کے لیے ہمدردی، علم دوستی اور تحقیق کے جذبے کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں جب مر جاتی ہیں تو ان کے افراد کی سوچ کا انداز یہی بن جاتا ہے۔ دشمن انہیں دوست نظر آتے ہیں۔ ڈاکو ان کا گھر لوٹ لینے کے بعد ان کے لیے ہمدردی کے رنگ میں رنگے ہوئے دو مصنوعی بول بول کر ان سے رحم دلی کا سرٹیفکیٹ وصول کر لیتے ہیں۔ مستشرقین کے متعلق بعض مسلم زعماء اور اصحاب قلم کے اس رویے کی وجہ سے ہماری قومی سوچ یہ بن گئی ہے کہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات ہوتی ہی وہی ہے جو کسی مستشرق کے قلم سے نکلے۔ جب آپ مستشرقین کو اپنا مخلص قرار دے لیتے ہیں تو پھر ان کی کسی تحریر کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ممکن ہی نہیں رہتا۔(محمد کرم شاہ الازھری، 2013ء)۔

استشراق سے متاثر صاحبان علم

مسلمانوں میں ایسے بہت سے افراد سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنی قوموں کو لفظ و معنی اور حقیقت و شکل ہر اعتبار سے مغربی سانچے میں ڈھلنے کی دعوت دی۔ ان اسکالرز میں سے ایک بڑی تعداد نے یورپ کی یونیورسٹیوں میں مغربی اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور اپنے اساتذہ کے تصورات و نظریات اپنا لیے۔ ان کے نزدیک بھی مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی تجدد و مغربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کا ماننا یہ ہے کہ فقہاء اور ملاؤں نے دین اسلام کو جامد بنا دیا ہے اور ان کے نزدیک علماء و مفسرین ہی تمام تر حرماں نصیبی

اور پسماندگی کا اصل سبب ہیں۔ مستشرقین کی فکر اور ان کی تحقیقات سے متاثر ہو کر ایسے نام نہاد اسکالرز پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے عقائد و احکامات میں سے ہر اس عقیدے اور حکم کی تاویل کرنا شروع کر دی جو اپنی اصل شکل میں جدید مغربی یا مغرب متاثر ذہنوں کے لیے قابل قبول دکھائی نہ دیا۔

مستشرقین کی دین کے اساسی عقائد پر نقد سے سب سے زیادہ جس عقیدے سے لوگ متاثر ہوئے وہ حدیث پر اعتراض تھا۔ جدید تعلیم یافتہ مسلم دانشوروں کے ہاں حدیث پر اعتراض کرنا ایک روایت بنتا جا رہا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی بغیر تقلید مغرب کے حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس لیے اس نے اسلام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا تاکہ اسے مغربی افکار کے مطابق بنایا جا سکے ،اسی لیے ان کو اہل تجدد کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سر سید احمد خان، مصر میں طہ حسین، ترکی میں ضیا گوک اس طبقہ کے بانی تھے۔ اس طبقہ کے مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ حدیث کو راستے سے نہ ہٹایا جائے کیونکہ احادیث میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ایسی مفصل ہدایات موجود ہیں جو مغربی افکار سے صراحتا متصادم ہیں۔ چنانچہ اس طبقہ کے بعض افراد نے حدیث کو حجت ماننے سے انکار کیا۔ یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی۔ لیکن انہوں نے انکار حدیث کے نظریے کو علی الاعلان اور وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی اس کا انکار کر دیا، خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجودہ دور میں حجت نہیں ہونی چاہیے، اور بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا، اس ذریعہ سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سند جواز دی گئی۔" (محمد تقی عثمانی، 2010ء)۔

برصغیر میں سر سید احمد خان اور ان کے حلقہ احباب کے علاوہ تمام امت مسلمہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے جو بظاہر مسلم سکالر تھے لیکن انہوں نے مستشرقین کے مقاصد کو پورا کرنے میں ان کے لیے راہیں ہموار کی۔

عرب میں تجدد پسندانہ تعبیر اسلام کے حوالے سے سب سے نمایاں نام مفتی محمد عبدہ (1849-1905ء) کا ہے۔ ان کی اپنی جامعہ ازہر میں سب سے بڑے تجدد پسند کی حیثیت سے پہچان تھی۔ مصر میں تجدد پسند مکتب خیال کا وجود انہی رہین منت ہے۔

مفتی محمد عبدہ کے حلقہ احباب میں ان کا شاگرد رشید رضا (1865-1935ء) ہے جس کا نظریہ یہ تھا کہ قرآن بنیادی طور پر ایک روحانی کتاب ہے جس میں دنیاوی امور سے متعلق بہت کم احکام ملتے ہیں۔ اسی طرح قاسم امین (1863-1908ء) ہے جس نے آزادیء نسواں کا علم بلند کرتے ہوئے جہاد کے خاتمے اور یورپی اخلاقیات کو اپنانے کی دعوت دی۔ اس کے مطابق ماضی کی دیگر تہذیبوں کی طرح اسلامی تہذیب میں بھی کچھ

نقائص پائے جاتے ہیں۔ اس طرح علی عبد الرزاق (1888-1966ء) وہ دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اسلام کے تمام احکام مذہبی ضابطے پر مشتمل ہیں جن کا تعلق تمام تر عبادت الٰہی اور نوع انسانی کی مذہبی فلاح و بہبود سے ہے۔ جہاں تک شہری قوانین کا تعلق ہے وہ انسان کی صواب دید پر چھوڑے گئے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد شہباز منج، 2016ء)۔

استشراق اور مشرقی صاحبان اقتدار

مستشرقین کی کوششوں سے اور ان کے نظریات و افکار سے متاثر ہونے والے مشرقی طبقے میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والا اور اہل اسلام کے لیے خطرے کا باعث طبقہ حکمرانوں کا ہے۔ کیونکہ جس ملک میں جو حکمران ہیں اس ملک کے نظام کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ اپنی مرضی اور منشا کے مطابق قانون سازی کرواتے ہیں۔ اس طبقے کے متاثر ہونے کی وجہ سے اکثر اسلامی ممالک میں قانون سازی اس قسم کی ہوتی ہے کہ جو مستشرقین کے مقاصد کو پورا کرنے میں ان کی مدد و معاون ثابت ہوتی ہے اور امت مسلمہ کو مغربی تہذیب و تمدن کا دلدادہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ استشراق کے اثرات یوں تو اکثر مسلمان ممالک کے حکمرانوں نے قبول کیے لیکن اس معاملے میں جو نمایاں نام ہیں ان میں ہمیں مصطفی کمال اتاترک نظر آتا ہے۔

مصطفی کمال اہل اسلام کے طبقہ امراء و زعماء میں بالعموم ایک آئیڈیل کے طور پہ مانا جاتا ہے۔ ترکی میں جدت اور مغربیت کا سب سے بڑا نقیب تھا۔ اس نے حصول اقتدار کے بعد اسلام کو ترکوں کی عملی زندگی سے بے دخل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس کے خیال میں ترکی اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اسلام کے اثر و رسوخ کو بالکل ختم نہ کر دیا جائے۔ اس کے خیالات میں اسلام سے متعلق نفرت و حقارت بہت نمایاں ہے۔ وہ کہتا ہے:

"This theology of an immoral Arab is a dead thing. Possibly it might have been suitable to the tribes in the desert, but it is no good for a modern, progressive state. God's revelation! There is no God! There are only the chains by which the priests and bad rulers bound the people down."(H.C Armstrong,1961)-

"اسلام (نعوذ باللہ) ایک بداخلاق عرب کی یہ الہیات، ایک مردہ چیز ہے۔ یہ صحرائی قبائل کے لیے مناسب ہو تو ہو، جدید ترقی پسند ریاست کے لیے ہرگز موزوں نہیں۔ وحی خداوندی !خدا ہے ہی نہیں۔ یہ مذہبی رہنماؤں اور برے حکمرانوں کا اپنے عوام کے استحصال کا ہتھیار ہے۔"

مسلم معاشروں میں مغربی طرز پر اصلاح و ترقی کے خواہاں امراء و حکمرانوں نے اپنے معاشروں کو مغربی رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ترکی کے قوم پرست لیڈر ضیا گوک الپ پر مغربی اور ملحدانہ اثرات اتنے گہرے تھے کہ وہ کسی بھی قسم کی اچھائی اور برائی کی تمیز کے لیے یورپ کی مکمل پیروی کا خواہاں تھا۔ اس نے عالمگیر اخوت اسلامی کے تصور کو جو مغربی تصور قومیت سے متصادم قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا وہ کہا کرتا تھا کہ ترکوں کو اپنی سرزمین کے کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیے ان کے لیے حب الوطنی سے بڑھ کر کوئی اخلاقیات نہیں۔ وہ اسلام سے پہلے کے ترکی کی تعریف کرتا ہے اور ترکوں کی حب الوطنی کو سراہتا ہے۔

"Among the pre-Islamic Turks patriotism reached its highest levels. In the future, as in the past patriotism should be the most important area of morality for Turks. Loyalty to the nation must take breathing over loyalty to family and religion. We shall create a genuine Civilization. The conquest of future is promise to Turkish resolution."(Zia Gokalp,1959)-

اسلام سے پہلے کے ترکوں میں حب الوطنی اپنے پورے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ مستقبل میں بھی جیسا کہ ماضی میں ہوا، حب الوطنی ہی ترکوں کے لیے اخلاقیات کا سب سے اہم عنصر ہونا چاہیے۔ قوم سے وفاداری کو خاندان اور مذہب سے وفاداری پر لامحالہ ترجیح دینی چاہیے۔ ہم ایک اصلی تہذیب تخلیق کریں گے مستقبل کی فتح ترک مقصد میں پنہاں ہے۔

ترکی کے علاوہ اگر باقی اسلامی ممالک کی بات کی جائے تو وہاں بھی صاحب اقتدار طبقہ مغرب سے متاثر نظر اتا ہے اور مستشرقین کے افکار و نظریات کو ہی آگے لے کر چلتا نظر آتا ہے۔ 1952ء کے مصر کے انقلاب کو دیکھا جائے تو اس میں جمال عبد الناصر (1918-1970ء) اسی طرح ایران کا بادشاہ رضا شاہ پہلوی (1919 تا 1980ء) نے بھی ایران کو ترکی کے نقش قدم پر مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انڈونیشیا میں احمد سوئیکارنو (1901-1970ء) کی رہنمائی میں بھی حکمران طبقے نے ملک کو مغربیت زدہ کرنے کی کوشش کی۔ تیونس میں حبیب بورقیبہ (1903-2000ء) نے صدارت سنبھالتے ہی تجدد کا آغاز کر دیا۔ 2012 اور لیبیا کے کرنل معمر قذافی (1942-2011ء) نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی کچھ شرعی حدود کا نفاذ کیا لیکن مستشرقین سے رابطے کی بنا پر وہ اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے اسلام کو ایک انقلابی ذہن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر سکیں جو مغربی نظام کے ساتھ چل سکتا ہو۔ (ڈاکٹر محمد شہباز منج، 2016ء)۔

مشرق پر استشراق کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اگر ہم اپنے معاشرے یعنی عالم اسلام میں نظر دوڑائیں تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم جانے انجانے میں اسلامی احکامات سے انحراف کر رہے ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن اور ان کے سکھائے ہوئے آداب و اخلاق کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دور موجود کی بات کی جائے تو فلسطین پر اسرائیل کے حملوں میں امت مسلمہ کی طرف سے کوئی طاقتور موقف سامنے نہیں آیا ہر ملک اپنی حدود و قیود کے اندر رہنے کو پسند کر رہا ہے اور اپنے دفاع کی بات کر رہا ہے۔ امت مسلمہ کٹ رہی ہے اور 57 اسلامی ممالک خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں، بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ ادھر فلسطین میں بچوں کو ذبح کیا جا رہا تھا اور ادھر سعودی عریبیہ میں جو اسلام کے آغاز کا خطہ ہے وہاں ناچ گانے اور رقص و سرود کی محفلیں سجائی جا رہی تھی۔ یورپ سے اداکاراؤں اور ناچنے والوں کو بلا کے لطف اندوز ہوا جا رہا تھا اور فلسطین کے مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکا جا رہا تھا۔ اسی طرح کے حالات تقریبا ہر ایک اسلامی ملک میں نظر آتے ہیں۔ اسلام کے ایک اہم فریضہ یعنی جہاد کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے ۔ ملک پاکستان کے طلبہ کے نصاب میں جو مختصر حصہ جہاد کے حوالے سے تھا وہ بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ اگر ہم ملک کے پاکستان کی بات کریں تو یہاں کبھی عورتوں کی آزادی کے لیے مارچ کیا جاتا ہے جس میں مختلف این- جی- اوز اور انسانی خدمت کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں ایسے حلیے بنا کر اور ایسے نعرے لگا کر احتجاج کرتی نظر آتی ہیں جو سراسر اسلام کے منافی ہیں۔ یہاں تو ناچنے گانے والوں کو ایوارڈ دیئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں چیخ چیخ کر گواہی دیتی ہیں کہ تحریک استشراق کافی حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکی ہے۔

نتائج البحث

مذکورہ بالا تمام بحث سے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ تحریک استشراق صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے حوالے سے شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے مگن ہے اس حوالے سے انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد کو بھی نشانہ بنایا ہے اور تہذیب و تمدن اور ثقافت کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ اہل مشرق خصوصا عالم اسلام کے بہت سے لوگ ان کی ان کاوشوں سے متاثر ہوئے ہیں جن میں عام عوام، دنیادار طبقہ، جدید پڑھا لکھا طبقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کے حکمران بھی موجود ہیں۔

۲۔ مستشرقین کی کاوشوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بے شمار مذہب سے وابستہ لوگ بھی اب دین کی تعبیرات مستشرقین کے نقطہ نگاہ سے کرنا شروع ہو گئے ہیں اور ان کے تحقیقات مستشرقین ہی کی مرہون منت نظر آتی ہیں، وہ جان بوجھ کر یا انجانے میں مستشرقین ہی کے نظریات کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔

۳۔ ہماری ایلیٹ کلاس نے چونکہ انگلش زبان کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوا ہے اس لیے اگر اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں تو اسلام کا مطالعہ انہی کتب سے کرتے ہیں کہ جو مستشرقین کی جانب سے یا ان کے پیروکاروں کی جانب سے لکھی گئی ہیں۔ لہذا اسلام کے متعلق ان کا نظریہ بھی شکوک و شبہات سے بھرپور ہوتا ہے۔

۴۔ تہذیب و ثقافت کی بات کی جائے تو مستشرقین کے اثرات اس قدر ہمارے معاشرے پر ظاہر ہو رہے ہیں کہ لباس اور خوراک سے لے کے رہن سہن کے انداز، بول چال، تعلیم و تعلم، اخلاق و آداب ہر ایک چیز میں مغرب کی پیروی کرنا ہی فیشن بنتا جا رہا ہے۔ اپنی روایات، ثقافت اور تہذیب کے ساتھ وابستہ لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ افکار و نظریات جو اسلام نے ہمیں دیے ہیں جن میں بھائی چارہ، ہمسایوں کا خیال کرنا، خواتین کا پردہ کرنا، مردوں کا نگاہوں کو جھکانا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام امت مسلمہ کو ایک معاشرہ سمجھنا اور سرحدوں کی وجہ سے امت مسلمہ کے درد سے غافل نہ ہونا ان تمام چیزوں سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

سفارشات

امت مسلمہ مستشرقین کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسی ہوئی ہے اور وہ ہر وہی کام کر رہی ہے جو اسلام کی ثقافت و سماج اور نظریات کے خلاف ہے، لیکن ہمارے ذہنوں میں جدت پسندی کے نام پر ڈال دیا گیا ہے۔ ان اثرات کو کم کرنے کے لیے اور ان سے چھٹکارا پانے کے لیے چند سفارشات درج ذیل ہیں:

- مستشرقین نے ملت اسلامیہ کو گمراہ کرنے کے لیے پہلے ان کے علوم و فنون پر دسترس حاصل کی اور اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف کانفرنسیں منعقد کیں اور سوسائٹیاں قائم کی جو مسلمانوں کے لٹریچر اور تہذیب و ثقافت پر تحقیق کر کے سفارشات پیش کرتی اور اس کے مطابق لائحہ عمل طے کیا جاتا۔ امت مسلمہ پر اس کے اثرات کم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف

کانفرنسز منعقد کی جائیں جن میں مستشرقین کے پھیلائے ہوئے فتنے، بد اعتقادی اور شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے تحقیقی کام کیا جائے۔ اسی طرح علماء و فضلاء کی سوسائٹیاں قائم کی جائیں جو مستشرقین کے لٹریچر کا مطالعہ کر کے اسلام پہ اٹھائے ہوئے ان کے اعتراضات کے مفصل جواب دیں تاکہ امت مسلمہ کے ذہنوں میں اٹھنے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جا سکے۔

- امت مسلمہ کے مستشرقین کے زیر اثر آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج اکثریتی طبقہ عربی زبان سے تو نا آشنا ہے لیکن انگلش پر عبور رکھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے انگریزوں کی کتابوں کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اصل ماخذ و مراجع یعنی عربی کی طرف رجوع کیا جاتا۔اس حوالے سے ضروری ہے کہ عربی کتب کا انگریزی زبان میں مستند ترجمہ کروایا جائے تاکہ انگریزی سے شغف رکھنے والا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس سے مستفید ہو سکے، اور دوسرا یہ کہ عربی کی ترویج و ترقی کے لیے حکومتی سطح پہ کام کیا جائے تاکہ ہم اپنے حقیقی ورثہ کو محفوظ رکھ سکیں۔
- سکول کی سطح سے لے کے یونیورسٹی کی سطح تک نصاب کا بار دیگر جائزہ لیا جائے اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق اسلام سے متعلق مواد اس میں شامل کیا جائے۔
- علماء کو مستشرقین کے اعتراضات کا سد باب کرنے کے لیے مطالعہ میں وسعت و گہرائی اور تحمل مزاجی پیدا کرنی چاہیے۔فرقہ وارانہ اختلافی مسائل سے نکل کر اسلام کو درپیش عالمی سطح کے مسائل پر کام کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔
- اپنے قومی اور ثقافتی لباس اور رہن سہن اپنانے کو ترجیح دی جائے اور مغرب کی پیروی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

حوالہ جات

1۔ عبد الحق۔ (1937ء)۔ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری۔ انجمن اردو پریس، دکن۔

Abdul Haq. (1937). *The Standard English-Urdu Dictionary*. Anjuman Urdu Press, Deccan

2۔ لوئیس معلوف۔ (1366ھ)۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام۔ انتشارات اسماعلیان، تہران۔

Malouf, L. (1366 AH). *Al-Munjid fi al-Lughah wa al-A'lam* (The Guide in Language and Biographies). Ismailian Publications, Tehran.

3۔ دکتور محمد احمد دیاب۔ (1989ء)۔ اضواء علی الاستشراق والمستشرقین۔ قاہرہ۔

Diab, M. A. (1989). *Adwa' 'ala al-Istishraq wa al-Mustashriqin* (Insights into Orientalism and Orientalists). Cairo.

4۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ (2013ء)۔ ضیاء النبی۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Al-Azhari, P. M. K. (2013). *Zia al-Nabi* (The Light of the Prophet). Zia-ul-Quran Publications, Lahore

5۔ دکتور محمد ابراہیم الفیومی۔ (1993ء)۔ الاستشراق: رسالۃ الاستعمار۔ قاہرہ۔

Al-Fioumi, M. I. (1993). *Al-Istishraq: Risalat al-Ist'imar* (Orientalism: The Message of Colonialism). Cairo.

6 - ڈاکٹر نثار احمد۔ (1985ء)۔ مستشرقین اور مطالعہ سیرت۔ نقوش ادارہ فروغ اردو، لاہور۔

Ahmad, N. (1985). *Mustashriqeen aur Mutala-e-Seerat* (Orientalists and the Study of Seerah). Naqoosh Idara Farogh-e-Urdu, Lahore.

7۔ دکتور محمود حمدی زقزوق۔ (1989ء)۔ الاستشراق والخلیفہ الفکریہ للصراع الحضاري۔ قاہرہ۔

Zakzouk, M. H. (1989). *Al-Istishraq wal-Khilafah al-Fikriyyah lil-Siraa' al-Hadari* (Orientalism and the Intellectual Background of the Civilizational Conflict). Cairo.

8۔ عبد المتعال محمد الجبری۔ (1995ء)۔ الاستشراق وجہ للاستعمار الفکري۔ قاہرہ۔

Al-Jabri, A. M. M. (1995). *Al-Istishraq: Wajh lil-Isti'mar al-Fikri* (Orientalism: An Aspect of Intellectual Colonialism). Cairo.

9۔ دکتور محمد ابراہیم الفیومی۔ (1993ء)۔ الاستشراق: رسالۃ الاستعمار۔ قاہرہ۔

Al-Fioumi, M. I. (1993). *Al-Istishraq: Risalat al-Ist'imar* (Orientalism: The Message of Colonialism). Cairo.

10۔ ڈاکٹر مصطفی السباعی۔ (2006ء)۔ السنۃ بمکانتھا في التشریع الإسلامي (غلام احمد حریری، مترجم)۔ ملک سنز پبلشر، فیصل آباد۔

Al-Siba'i, M. (2006). *Al-Sunnah bimaqanatiha fi al-Tashri' al-Islami* (The Sunnah and Its Status in Islamic Legislation) (Ghulam Ahmad Hariri, Trans.). Malik Sons Publishers, Faisalabad.

11۔ امام مسلم، ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المومنین وتعاطفھم وتعاضدھم۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

Imam Muslim, Abul Husain Muslim bin al-Hajjaj al-Qushayri al-Naysaburi. (n.d.). *Sahih Muslim*, Kitab al-Birr wa al-Silah wa al-Adab, Bab Tarahum al-Mu'minin wa Ta'atifihim wa Ta'adhudihim. Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon.

12۔ مفتی محمد تقی عثمانی۔ درس ترمذی۔ مکتبہ دارالعلوم، کراچی۔

Usmani, M. T. (n.d.). *Dars-e-Tirmizi* (Lessons on Tirmidhi). Maktaba Dar-ul-Uloom, Karachi.

13۔ ڈاکٹر محمد شہباز منج۔ (2016ء)۔ فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ۔ القمر پبلی کیشنز، لاہور۔

Manj, M. S. (2016). *Fikr-e-Istishraq aur Aalam-e-Islam mein is ka Asar wa Nufooz* (Orientalism and Its Influence in the Islamic World). Al-Qamar Publications, Lahore.

14. Taylor, E. B. (1883). *Primitive Culture*. Henry Holt Company.

15. Hitti, P. K. (1962). *Islam and the West*. New Jersey.

16. Cragg, K. (1956). *The Call of the Minaret*. Oxford University Press.

17. Jamila, M. (1971). *Islam and Orientalism*. Sant Nagar, Lahore.

18. Armstrong, H. C. (1961). *The Gray Wolf: The Life of Kemal Ataturk*. Capricorn Books.

19. Gokalp, Z. (1959). *Turkish Nationalism and Western Civilization*. George Allen and Unwin.

20. Government of Punjab Education Department. (n.d.). *Oxford Essential Dictionary*.